سانحہ کربلا اور حضرت حسینؓ و یزید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں

حافظ صلاح الدین یوسف

سانحہ شہادت حسینؓ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ حق و اعتدال کا ایک بہترین نمونہ' دلائل و براہین کا نادر مرقع اور خداداد فہم صحیح کا شاہکار ہے انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص "منہاج السنہ" میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے اردو میں کرکے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر بھی قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ آیات و احادیث کے عربی الفاظ کا اصل کتاب سے مراجعت کرکے ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (مرتب)

تمہید

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ اور علیؓ کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتى الله الملك من يشاء (احمد' ترمذی)

ترجمہ:- خلافت تیس برس تک منہاج نبوت پر رہے گی پھر سلطنت ہو جائے گی۔ (یہ لفظ ابو داود کے ہیں)

علماء اہل سنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس سے انکار غیر ممکن ہے کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ' ایک حکمران' ایک صاحب سیف اور خودمختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام' مصر' عراق' خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں۔ یوم عاشورہ ۶۰ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگان مکہ و حجاز نے ان کا ساتھ دیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ نے خلافت کا دعوی یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے جیتے جی ہی اس کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر ان کے حضور میں حاضر ہوں اس لئے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہوئی۔ پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمران نہیں ہوا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برابر برگشتہ رہا تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ ابوبکرؓ' عمرؓ اور پھر معاویہ بن ابی سفیانؓ' عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ پورے بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہیں ہوا۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تمام دنیائے اسلام کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق؟

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خودمختار تھا' طاقتور تھا' صاحب سیف تھا' عزل و نصب کرتا تھا' اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا' کفار پر جہاد کرتا تھا' یزید کو بھی امام و خلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر و کسری نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہ خلفاء معصوم نہ تھے

رہا یہ مسئلہ کہ یزید، عبدالمالک، منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علماء اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت والجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت کی اطاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ہمیں ان کی ضرورت ہے مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے۔ نیز اسی نوع کے دوسرے معاملات میں اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

نصب امام کے چند اصول

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکیوں کے ساتھ برے بھی شامل ہوں تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر، مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کے لئے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائے گا ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے خلاف ایک فاجر شخص ہو جو بہترین طریق پر فوجوں کی قیادت کر سکتا ہو تو جس حد تک جنگی مقاصد کا تعلق ہے۔ یقیناً اسی آخر الذکر یعنی فاجر کو سربراہ بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی۔ بدی اور برائی میں اس پر اعتراض و انکار کیا جائے گا۔

حفظ مصالح اور دفع مقاصد

غرض امت کی مصلحتوں کا لحاظ مقدم ہے اگر کسی فعل میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کس کا پلہ بھاری ہے اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفاسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبدالمالک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کے لئے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اخیار و فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ ہی دنیوی نفع حاصل کیا اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علی ﷺ، طلحہ ﷺ، زبیر ﷺ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و غیرہم صحابہ تھے مگر انہوں نے اپنی خونریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

عہد فتن میں خروج کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ حسن بصریؒ، حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے "حجاج اللہ کا عذاب ہے اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ خدا کے سامنے تضرع و زاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

ولقد اخذناهم بالعذاب فما استكانوا لربهم وما يتضرعون۔

(المومنون ۲)

ترجمہ :۔ یعنی ہم نے ان کی عذاب کے ذریعے گرفت کی انہوں نے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑگڑائے۔

اسی طرح اور اخیار و ابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ میں جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ، سعید بن المسیبؒ، حضرت زین العابدینؒ، علی بن حسین وغیرہم۔

اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی موید ہیں اسی لئے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتن میں قتال و جدال سے اجتناب اور جور آئمہ پر صبر کیا جائے، وہ یہ مسئلہ اپنے عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل و فکر میں تامل کرے گا اس پر اس مسلک کی صحت و صداقت بالکل واضح ہو جائیگی۔

حضرت حسینؓ کا عزم عراق

اسی لئے جب حضرت حسینؓ نے عراق

جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقوی مثلا عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارثؓ نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے آپ ضرور شہید ہو جائیں گے۔ حتی کہ روانگی کے وقت .بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

استودعک اللہ من قتیل۔

ترجمہ :۔ اے شہید! ہم تمہیں خدا کو سونپتے ہیں۔

اور .بعضوں نے کہا:

لو لا الشناعة لا مسکتک و منعتک من الخروج۔

ترجمہ :۔ اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز جانے نہ دیتے۔

اس مشورہ سے ان لوگوں کے مدنظر صرف آپ کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت حسینؓ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؓ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی کیونکہ آپ کے جانے سے ہرگز کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو پیغمبر خدا ﷺ کے جگر گوشے پر قابو مل گیا اور وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے۔ اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کیونکہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لئے آپ اٹھے تھے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گیا۔ خیر و صلاح میں کمی آگئی اور ایک عظیم الشان دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا جس طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت سے فتنے پھیلے اس طرح حضرت حسینؓ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیئے۔

حضرت حسینؓ کا مقام بلند

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کا ائمہ و خلفاء کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم مناسب اور امت کے دین و دنیا کے لئے زیادہ بہتر تھا اور جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی۔ ان کے فعل سے امت کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؓ کی تعریف مین فرمایا تھا:

ان ابنی ھذا سید و سیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

(رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ)

ترجمہ :۔ میرا یہ فرزند سردار ہے عنقریب خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی کہ وہ فتنہ میں پڑے گا یا خلفاء پر خروج کرے گا یا اطاعت سے برگشتہ یا جماعت سے منحرف ہو گا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ تعالی اور اس کے رسول کی نظر میں مستحسن و محبوب ہے اور حضرت حسنؓ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خونریزی کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب و مستحب ہوتی تو آں حضرت ﷺ اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

یہاں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے "خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی محبت کر۔" چنانچہ جس طرح آپ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اسی طرح بعد میں یہ دونوں ان خانہ جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے تھے اور حضرت حسنؓ ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہما) کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود با اختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنے والوں میں صلح قائم کر دی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آخر میں یہ حقیقت روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی کربلا پہنچ کر جنگ سے بیزار اور سرے سے دعوی امارت و خلافت ہی سے دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے "مجھے وطن لوٹ جانے دو"

اطاعت فی المعروف

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جداگانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے۔ یعنی جس کسی نے اطاعت الٰہی مثلا نماز، حج، جہاد، امربالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی اسے اپنی اس نیکی اور اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صالح مومنین مثلا حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مدد گار ہوا وہ گنہگار ہوا اور زجر و توبیخ اور مذمت اور سزا کا سزاوار، یہی باعث ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔

چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ معاویہؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابوایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی شریک ہوئے تھے (یہ غزوہ ۵۱ھ میں ہوا جس میں حضرت حسینؓ یزید کی ماتحتی میں شریک تھے " البدایہ ص ۱۵۱ ج۸" ظاہر ہے اس اثناء میں نمازیں بھی یزید کے پیچھے پڑھتے رہے' "ص'ی")۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم۔

ترجمہ:۔ جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزوہ کرے گی وہ مغفور یعنی بخشی بخشائی ہے۔

یزید کے بارے میں افراط و تفریط

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ تو اسے خلفائے راشدین اور انبیائے مقربین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سرا سر غلط ہے دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے قصدا حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا تاکہ اپنے ان رشتہ داروں کے خون کا بدلہ لے جو بدر و خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

لما بدت تلک الحمول واشرفت تلک الروس علی ابی جیبرون نعق الغراب فقلت نح اولا تنح فلقد قضیت من النبی دیونی لیت اشیاخی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل قد قتلنا القرون من ساداتھم و عدلنا ببدر فاعتدل

ترجمہ :۔ جب وہ سواریاں اور سرچیرون کی بلندیوں پر نمودار ہوئے۔ تو کوا چلایا اس پر میں نے کہا تو نوحہ کر یا نہ کر میں نے تو نبی سے اپنا قرض پورا پورا وصول کر لیا۔ (یا یہ کہ اس نے کہا) کاش میرے بدر والے بزرگ' نیزوں کی مار سے خزرج و انصار کی دہشت دیکھتے۔ ہم نے ان کے سرداروں میں چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور اس طرح بدر کا بدلہ اتار دیا۔

یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا رہے حسین رضی اللہ عنہ تو بلاشبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔ لا ریب حسینؓ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے اس سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا یا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

شہادت کا رتبہ بلند

شہادت حسینؓ اگرچہ امت کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے لیکن خود حضرت حسینؓ کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں بلکہ شہادت' عزت' اور علو منزلت ہے یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ نبی ﷺ کے دونوں نواسے (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) گہوارہ اسلام میں پیدا ہوئے' امن وامان کی گود میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے جن کے طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے۔ اس لئے شہداء خوش بخت کے اعلی درجات منازل تک پہنچنے کے لئے انہیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضرور تھا۔ چنانچہ دونوں گزر گئے۔ ایک کو زہر دیا گیا اور دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی۔

بڑی بڑی اہم شہادتیں

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کے لئے زیادہ بڑی مصیبت تھا۔

صبر نہ کہ جزع فزع

یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہرحال ان پر صبر کرنا اور انا للہ و انا الیہ راجعون کہنا چاہئے کیونکہ اس سے خدا خوش ہوتا ہے۔ فرمایا:

و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ترجمہ :۔ ان صبر گزاروں کو خوشخبری دے دیجئے جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کی زبان پر انا للہ و انا الیہ راجعون جاری ہو جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ بن حسینؓ کی حدیث

مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں خود حضرت حسینؓ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی حدیث ہے کہ میرے باپ نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ ما من مسلم یصاب بمصیبة فیذکر مصیبة و ان قدمت

فیحدث لها استرجاعا الا اعطاه الله من الاجر مثل اجره یوم اصیب بها۔

ترجمہ :۔ جو مسلمان بھی اپنی مصیبت کو (اگرچہ وہ کتنی ہی پرانی ہو گئی ہو) یاد کرکے صبر کرتا ہے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو خدا اسے اتنا ہی ثواب دیتا ہے جتنا خود مصیبت نازل ہونے کے وقت دے چکا ہے۔

حضرت فاطمہؓ نے میدان کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کا ہیبت ناک قتل دیکھا تھا اس لئے ان کی یہ حدیث خاص طور پر قابل لحاظ اور ہر مسلمان کے لئے دعوت صبر و موعظہ شکیب ہے۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حضرت حسینؓ کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے یہ نہیں چاہئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے یا گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کر دے یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں اور اللہ کا رسول ﷺ ان کے مرتکب سے براءت کا اعلان کر چکا ہے۔

ماتم اور بین کرنے والے ہم میں سے نہیں

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ :

لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعا بدعوی الجاهلیة۔

ترجمہ :۔ جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے وہ ہم میں سے نہیں۔

نیز آپ ﷺ نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بتایا ہے:

انا بری من الصالقة والحالقة والشاقة۔

ترجمہ :۔ صالقہ بین کرنے والی عورتیں، حالقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والی اور شاقہ گریبان پھاڑنے والی عورتیں۔

نیز فرمایا:

ان النائحة اذا لم تتب قبل موتها فانها تلبس یوم القیامة درعا من جرب و سربالا من قطران۔

ترجمہ :۔ اجرت پر نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کے بغیر مر جائیں گی تو خدا انہیں قیامت کے دن خارشی قمیض اور گندھک کا جامہ پہنائے گا۔

اس قسم کی عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ سزا کے دوران اس کا سر کھل گیا تو لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اس کا سر برہنہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کچھ پروا نہیں۔

لا حرمة لها انها تنهی عن الصبر و قد امر الله به و تامر بالجزع و قد نهی الله عنه و تفتن الحی و تؤذی المیت و تبیع عبرتها و تبکی بشجو غیرها انها لا تبکی علی میتکم انما تبکی علی اخذ دراهمکم۔

ترجمہ :۔ اس کی کوئی حرمت نہیں کیونکہ یہ لوگوں کو مصیبت میں صبر کرنے سے منع کرتی ہے حالانکہ خدا نے صبر کا حکم دیا ہے اور یہ رونے کی ترغیب دیتی ہے۔ حالانکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے زندہ کو فتنہ میں ڈالتی ہے۔ مردہ کو تکلیف دیتی ہے۔ اپنے آنسو فروخت کرتی ہے اور دوسروں کے لئے بناوٹ سے روتی ہے یہ تمہاری میت پر نہیں روتی بلکہ تمہارا پیسہ لینے کے لئے آنسو بہاتی ہے۔

شہادت حسینؓ کے بارے میں افراط و تفریط

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح بعضوں نے حضرت حسینؓ کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے (معاذ اللہ) ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ فرما چکے ہیں:

من جاء کم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاقتلوه۔

ترجمہ :۔ اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے آئے اسے قتل کر ڈالو۔

حضرت حسینؓ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لئے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے۔

بلکہ بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام میں اولین باغی حسینؓ ہے۔

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے۔

حضرت حسینؓ امام برحق تھے ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انہوں نے مقرر کیا اور جہاد نہیں ہو سکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا

ان دونوں نہایت غلطیوں کے درمیان اہل سنت ہیں وہ نہ پہلے گروہ کے ہمنوا ہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسین مظلوم شہید کئے گئے انکے ہاتھ امت کی سیاسی باگ ڈور نہیں آئی۔ علاوہ برآں مذکورہ بالا احادیث ان پر چسپاں نہیں ہوتیں کیونکہ جب انہیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادہ سے دستبردار ہو گئے تھے۔ (یعنی راستہ ہی سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مسلم کے بھائیوں کے اصرار کا ساتھ دینا پڑا جیسا کہ شیعہ سنی سب تاریخوں میں

ہے۔ (ص ی)

اور فرماتے ہیں (یعنی منزل مقصود پر پہنچ کر جب ابن زیاد کی فوج کے سربراہ عمر بن سعد سے گفتگوئے مصالحت کے سلسلہ میں حضرت حسینؓ نے متن میں مذکور تین باتیں فرمائیں۔

مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ (اس تیسری بات کے بارے میں تاریخ طبری (ص ۳۱۳ ج ۵ طبع جدید) میں یہ الفاظ ہیں ن اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی و بینہ رایہ۔ یعنی میں براہ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا (بیعت کر لوں گا) پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کرلے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ایک جگہ یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ و طلب ان یردوہ الی یزید ابن عمہ حتی یضع یدہ فی یدہ او یرجع من حیث جاء او یلحق بعض الثغور (راس الحسین ص ۲۰) مطلب وہی ہے جو متن میں ہے) (ص ی)

شہادت حسینؓ کا نتیجہ صحابہ سے بدگمانی اور بدعات محرم کا ظہور

شہادت حسینؓ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کے پھیلانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشورہ میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ منہ پیٹتے ہیں' روتے ' چلاتے ہیں بھوکے پیاسے رہتے ہیں' مرثیے پڑھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سلف و صحابہؓ کو گالیاں دیتے ہیں' لعنت کرتے ہیں اور ان بے گناہ لوگوں کو لپیٹ لیتے ہیں جنہیں واقعات شہادت سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ : "السابقون الاولون من المہاجرین والانصار" کو بھی گالیاں دیتے ہیں پھر واقعہ شہادت کی جو کتابیں پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر اکاذیب و اباطیل کا مجموعہ ہیں اور ان کی تصنیف و اشاعت سے ان کے مصنفوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنہ کے نئے نئے دروازے کھلیں اور امت میں پھوٹ بڑھتی جائے۔ یہ چیز باتفاق جملہ اہل اسلام نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ اس طرح رونا' پیٹنا اور پرانی مصیبتوں پر گریہ زاری کرنا اعظم ترین محرمات دینیہ میں سے ہے۔

پھر ان کے مقابلے میں دوسرا فرقہ ہے جو یوم عاشورہ میں مسرت اور خوشی کی بدعت کرتا ہے۔ کوفہ میں یہ دونوں گروہ موجود تھے۔ شیعوں کا سردار مختار بن عبید تھا اور ناصبیوں کا سرگروہ حجاج بن یوسف الثقفی تھا۔

واقعات شہادت میں مبالغہ

جن لوگوں نے واقعات شہادت قلم بند کئے ہیں ان میں اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔ جس طرح شہادت عثمانؓ بیان کرنے والوں نے کیا اور جیسے مغازی و فتوحات کے راویوں کا حال ہے حتی کہ واقعات شہادت کے مورخین میں سے بعض اہل علم مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ بھی بے بنیاد روائتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے ہاں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

دندان مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ

صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب حضرت حسینؓ شہید کئے گئے تو آپ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی۔ مجلس میں حضرت انسؓ اور ابوبرزہ اسلمیؓ دو صحابی موجود تھے۔ انسؓ نے اس کی تردید کی اور کہا "آپ رسول ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔" صرف حضرت انسؓ ہی نہیں بلکہ اور صحابہؓ کو بھی آپ کی شہادت سے ازحد ملال تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی کا مارنا جائز ہے۔ انہوں نے خفا ہو کر جواب دیا۔

اے اہل عراق! تمہیں مکھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر چکے ہو۔

بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا

متعدد مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ بات ہی اس کے پیش نظر تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کریں۔ حضرت حسینؓ جب کربلا پہنچے آپ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے۔ مگر مخالفوں نے نہ انہیں وطن واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے آپ نے نامنظور کیا اور شہید ہو گئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے تو یہاں تک کہا:

لعن اللہ ابن مرجانہ (یعنی عبید

الله بن زیاد) اما والله لو کان بینه و بین الحسین رحم لما قتله

ترجمہ :۔ ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) پر خدا کی پھٹکار! واللہ! اگر وہ خود حسینؓ کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔

اور کہا:

قد کنت ارضی من طاعة اهل العراق بدون قتل الحسین۔

ترجمہ :۔ بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔ پھر اس نے حضرت حسین کے پسماندگان کی بڑی خاطر تواضع کی اور عزت کے ساتھ انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا۔

یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی

بلا شبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی طرفداری بھی نہیں کی، نہ ان کے قاتلوں کو قتل کیا نہ ان سے انتقام لیا، لیکن یہ کہنا بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا، ملک ملک پھرایا اور بغیر کجاوہ کے انہیں اونٹ پر سوار کرایا۔ الحمد للہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اسے امت محمدی نے کسی حال میں جائز رکھا ہے۔

حضرت حسینؓ کو شہید کرنے کا گناہ عظیم

یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حضرت حسینؓ کی شہادت عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ تھی جنہوں نے یہ فعل کیا۔ جنہوں نے اس میں مدد کی جو اس سے خوش ہوئے وہ سب کے سب اس عتاب الٰہی کے سزاوار ہیں جو ایسے لوگوں کے لئے شریعت میں وارد ہے لیکن حسینؓ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء، مومنین اولین، شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بئر معونہ، حضرت عثمانؓ یا خود حضرت علیؓ بلکہ حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے۔ برخلاف حسینؓ کے کہ ان کے قاتل انہیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔ لیکن اپنی اغراض کی خاطر اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے۔ جیسا کہ لوگ سلطنت کے لئے باہمی خونریزی کرتے ہیں۔

یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ

رہا سوال یزید پر لعنت کرنے کا تو واقعہ یہ ہے کہ یزید بھی بہت سے دوسرے بادشاہوں اور خلفاء جیسا ہی ہے بلکہ کئی حکمرانوں سے وہ اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر "مختار بن ابی عبید الثقفی" سے کہیں اچھا تھا۔ جس نے حضرت حسینؓ کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ان کے قاتلوں سے انتقام لیا مگر ساتھ ساتھ یہ دعوی کیا کہ جبرائیل اس کے پاس آتے ہیں۔ اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا جو بلا نزاع یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا۔ یزید اور اس جیسے دوسرے سلاطین و خلفاء کے بارے میں زیادہ زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاسق تھے۔

لعنت کے بارے میں مسئلہ شرعیہ

لیکن کسی فاسد کو معین کرکے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا:

لعن الله السارق یسرق البیضة فتقطع یده۔

ترجمہ :۔ چور پر خدا کی لعنت ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔

لعن الله من احدث حدثا او آوی محدثا۔

ترجمہ :۔ جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت۔

یا مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت ﷺ کے پاس پکڑ کر لایا جاتا تھا یہاں تک کہ کئی بچیے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا:

لعنة الله ما اکثر ما یوتی به الی النبی صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ :۔ اس پر خدا کی لعنت کہ بار بار پکڑ کر دربار رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا:

لا تلعنه فانه یحب الله و رسوله۔

ترجمہ :۔ اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

حالانکہ آپ نے عام شرابیوں پر لعنت بھیجی ہے اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے مگر اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں اور معلوم ہے کہ ہر مومن اللہ اور رسولؐ سے ضرور محبت رکھتا ہے۔

یزید پر لعنت سے پہلے دو چیزوں کا اثبات ضروری ہے

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہو گا وہ بالآخر دوزخ سے نجات پائے گا۔

بنابریں جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہیں انہیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کرکے لعنت کرنا روا ہے۔ رہی آیت "الا لعنة الله علی

[illegible] تو یہ عام ہے جیساکہ باقی تمام آیات وعید عام ہیں اور پھر ان آیتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے یہی کہ یہ گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب آکر لعنت و عذاب کے اسباب کو دور کر دیتے ہیں۔ مثلاً گنہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی یا اس سے ایسی حسنات بن آئیں جو سیئات کو مٹا دیتی ہیں یا ایسے مصائب پیش آئے جو گنہگاروں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ بنابریں کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا سیئات کو دور کرنے والی حسنات انجام نہیں دیں یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا یا یہ کہ اللہ کسی حال میں بھی انہیں نہیں بخشے گا۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء (النساء)

پھر صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی وہ مغفور ہے۔

اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہو گی بہت ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن اس سے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔

لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج

پھر ہم خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے ضرور آلودہ ہوتے ہیں اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ کے حق میں صلاۃ و دعا کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا۔

ترجمہ :۔ مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔

بلکہ جب لوگوں نے ابو جہل جیسے کفار کو گالیاں دینی شروع کیں تو انہیں منع کیا اور فرمایا:

لا تسبوا امواتنا فتوذوا احیاءنا۔

ترجمہ :۔ ہمارے مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ اس لئے کہ قدرتی طور پر ان کے مسلمان رشتہ دار برا مانتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے صالح نے کہا "الا تلعن یزید؟" آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امام نے جواب دیا "متی رایت اباک یلعن احدا۔" تونے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے کب دیکھا تھا۔

آیت : فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم و اعمی ابصارھم۔ (سورہ محمد)

ترجمہ :۔ کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد سے پیٹھ پھیر لو تو لگو ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اس آیت سے خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کی وعید ان لوگوں کو شامل کرتی ہے جو ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یہ افعال صرف یزید ہی نے نہیں کئے بلکہ بہت سے ہاشمی' عباسی' علوی بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے ان سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانوں پر لعنت ضروری ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال بہت عام ہیں مگر یہ فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا۔

قاتلین حسینؓ کے متعلق روایات

رہی وہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حسینؓ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا۔ اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب ہو گا اس کے ہاتھ پاؤں' آتشی زنجیروں سے جکڑے ہوں گے وہ دوزخ میں الٹا اتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور اس میں اتنی سخت بدبو ہو گی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا۔

تو یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہے جو رسول ﷺ پر تہمت باندھنے سے نہیں شرماتے۔ کہاں آدھی دوزخ کا عذاب اور کہاں ایک حقیر آدمی؟ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین' قاتلین انبیاء اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب' قاتلین حسین سے کہیں زیادہ سخت ہو گا بلکہ عثمانؓ کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؓ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔

اہل سنت کا مسلک معتدل ہے

حسینؓ کی طرفداری میں اس غلو کا جواب ناصبیوں کا غلو ہے۔ جو حضرت حسینؓ کو اس حدیث کا مصداق قرار دے کر من اتاکم و امرکم علی رجل و احد یرید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقہ بالسیف کائنا من کان۔ (مسلم)

باغی اور واجب القتل قرار دیتے ہیں لیکن

اہل سنت و الجماعت نہ اس کا ساتھ دیتے ہیں نہ اس غلو کا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ مظلوم شہید ہوئے اور ان کے قاتل ظالم و سرکش تھے اور ان احادیث کا اطلاق ان پر صحیح نہیں جن میں تفریق بین المسلمین کرنے والے کے قتل کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ کربلا میں آپ کا قصد امت میں پھوٹ ڈالنا نہ تھا۔ بلکہ آپ جماعت ہی میں رہنا چاہتے تھے مگر ظالموں نے آپ کا کوئی مطالبہ نہ مانا نہ آپ کو وطن واپس ہونے دیا نہ سرحد پر جانے دیا' نہ خود یزید کے پاس پہنچنے دیا بلکہ قید کرنے پر اصرار کیا۔ ایک معمولی مسلمان بھی اس برتاؤ کا مستحق نہیں ہو سکتا کجا کہ حضرت حسینؓ۔

اسی طرح یہ روایت بھی رسول ﷺ پر سفید جھوٹ ہے کہ :

جس نے میرے اہل بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہنچائی۔ اس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہو گا۔

اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہیں نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ رشتہ دار اور قرابت سے زیادہ ایمان اور تقوی کی حرمت ہے اگر اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص جرم کرے جس پر شرعا اس کا قتل واجب ہو تو بالاتفاق اسے قتل کر ڈالا جائے گا۔ مثلا اگر کوئی ہاشمی چوری کرے تو یقیناً اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر زنا کا مرتکب ہو تو سنگسار کردیا جائے۔ اگر جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اگرچہ مقتول حبشی' ردی' ترکی' دیلمی غرض کوئی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

المسلمون تتکافا دماؤھم۔

ترجمہ :۔ تمام مسلمانوں کا خون یکساں حرمت رکھتا ہے۔

پس ہاشمی و غیر ہاشمی کا خون برابر ہے۔

اسلامی مساوات

نیز فرمایا :

انما اھلک من کان قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

ترجمہ :۔ اگلی قومیں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن جب معمولی آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی۔ واللہ! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

اس میں آپ ﷺ نے تشریح کر دی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا قریب سے قریب عزیز بھی جرم سے آلودہ ہو گا تو اسے شرعی سزا ضرور ملے گی۔

کسی خاندان کی خصوصیت ثابت نہیں

پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ کہہ کر اپنے خاندان کو خصوصیت دیں گے جو ان کا خون بہائے گا اس پر خدا کا غصہ بھڑکے گا۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہی مسلم ہے کہ ناحق قتل خدا کی شریعت میں حرام ہے۔ عام اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔

و من یقتل مومنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما۔ (النساء)

پس قتل کی اباحت و حرمت میں ہاشمی و غیر ہاشمی سب مسلمان یکساں درجہ رکھتے ہیں اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے اب عام عام اس سے کہ آپؐ کے خاندان کو تکلیف دے کر ہو یا امت کو ستا کر' یا سنت توڑ کر۔

واضح ہو گیا کہ اس طرح کی بے بنیاد حدیثیں جاہلوں اور منافقوں کے سوا کوئی اور نہیں بیان کر سکتا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ رسول ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمان کو ہمیشہ وصیت کرتے اور فرماتے تھے۔ "یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں" بالکل غلط ہے۔

بلا شبہ حضرت حسنؓ و حسینؓ اہل بیت میں بڑا درجہ رکھتے ہیں لیکن نبی ﷺ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ: حسینؓ تمہارے پاس میری امانت ہیں۔ آں حضرت ﷺ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلی ہے کہ اپنی اولاد مخلوق کو سونپیں۔

ایسا کہنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں:

(ا) یہ کہ جس طرح مال امانت رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو یہ صورت تو نہیں سکتی کیونکہ مال کی طرح آدمی امانت رکھے نہیں جا سکتے یا یہ مطلب ہو گا کہ جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے تو یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہو سکتی کیونکہ بچپن میں حسنینؓ اپنے والدین کی گود میں تھے اور جب بالغ ہوئے تو اور سب آدمیوں کی طرح خودمختار اور اپنے ذمہ دار ہو گئے۔ اگر یہ مطلب بیان کیا جائے کہ آں حضرت ﷺ نے امت کو ان کی حفاظت و حراست کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے بچا نہیں سکتی۔ وہ صرف خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کہا جائے اس سے آپ کی غرض ان کی حمایت و نصرت تھی تو اس میں ان کی خصوصیت نہیں۔ ہر مسلمان کو دوسرے مظلوم مسلمان کی حمایت و نصرت کرنی چاہئے اور

بقیہ صفحہ نمبر ۵۰ پر